Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-1 Issue-2 (July-December, 2023)
ISSN: (2311-6552)

Published:
December 31, 2023

The Need and Demands of Interfaith Dialogue in the Contemporary Cultural Conflict

عصری تہذیبی کشمکش میں بین المذاہب مکالمہ کی ضرورت اور تقاضے

Dr. Muhammad Akram Wirk
Islamic Department, Govt Post Graduate College, Gujranwala

Abstract

In our increasingly interconnected world, characterized by diverse cultures and beliefs, the necessity for interfaith dialogue has become paramount. Amidst cultural conflicts, religious tensions, and ideological divides, fostering understanding and cooperation among different faith traditions is crucial for promoting peace and harmony. Interfaith dialogue serves as a bridge between communities, providing a platform for respectful exchange and mutual learning. It acknowledges the richness of diverse religious perspectives while seeking common ground on shared values and aspirations. By facilitating conversations on spirituality, ethics, and social justice, it cultivates empathy, compassion, and solidarity across religious boundaries. Contemporary cultural conflicts often stem from misunderstandings, stereotypes, and deep-seated biases. Interfaith dialogue offers a pathway to address these underlying issues by promoting intercultural literacy and fostering genuine relationships built on trust and respect. Through dialogue, individuals can challenge misconceptions, confront prejudices, and build authentic connections based on shared humanity. In conclusion, the need and demands for interfaith dialogue in the contemporary cultural conflict are evident. It serves as a transformative tool for promoting understanding, reconciliation, and cooperation across religious and cultural divides. Embracing diversity and fostering dialogue are imperative steps towards building a more inclusive and harmonious world.

OPEN ACCESS
CC BY

Keywords: interfaith dialogue, Islam, religions, mutual understanding, civilizations, mutual tolerance, requirements.

اربابِ علم و دانش سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ گلوبلائزیشن(Globalization) کے اس دَور میں بین المذاہب مکالمہ(Inter-Faith Dialogue) کی ضرورت واہمیت پہلے کی نسبت کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے، باہمی مکالمہ ہی وہ واحد آپشن ہے جس سے کسی بھی مذہب کا داعی مخاطب کو اپنی دعوت کی طرف متوجہ کر سکتا ہے۔

باہمی مکالمہ، دعوت کا ایک ایسا اسلوب ہے جس کے ذریعے مخاطب کو زیادہ گہرائی اور سنجیدگی کے ساتھ سوچنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے، گفتگو کا یہ ایسا اسلوب ہے جس میں متکلم اور سامع کے درمیان براہِ راست گفتگو ہوتی ہے اور حقائق پوری طرح نکھر کر سامنے آتے ہیں، اب یا تو مخاطب مدِّمقابل کے موٴقف کو قبول کر لیتا ہے یا پھر دلائل کی بنیاد پر رَد کر دیتا ہے۔ یہ مکالمہ افراد کے درمیان بھی ہو سکتا ہے، تہذیبوں اور مختلف مذاہب کے درمیان بھی۔

بین المذاہب مکالمہ کی اہمیت:

بحیثیتِ مسلمان ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کی اُمت آخری امت ہے، اس لیے اُمتِ اجابت ہونے کی حیثیت سے دنیا کے تمام انسانوں تک پیغامِ الٰہی کا پہنچانا ہماری بنیادی ذمہ داری ہے۔ قرآن و حدیث کے متعدد نصوص سے واضح طور پر امت محمد یہ ﷺ پر انفرادی اور اجتماعی سطح پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔

شاہانِ عالم کے نام رسول اللہ ﷺ کے دعوتی و تبلیغی خطوط جہاں معاصر مذاہب اور تہذیبوں سے آپ ﷺ کے مکالمہ کی ایک خوب صورت مثال ہیں، وہاں یہ خطوط اس بات کی بھی دلیل ہیں کہ اسلام اصلاً دینِ دعوت ہے اور اس کی دعوت کا دائرۂ کار تمام عالم کو محیط ہے، اس لیے اس کے عالمی پیغام کو دوسروں تک منتقل کرنا مسلمانوں کا دینی فرض ہے۔ مذاہبِ عالم میں اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے نہ صرف عالمگیر سطح پر دعوت و تبلیغ کا حکم دیا ہے بلکہ دوسری تہذیبوں، قوموں اور افراد کے ساتھ گفتگو اور مکالمے کے باقاعدہ اصول بھی بیان کیے ہیں۔ قرآن مجید نے ایک داعی کے لیے مکالمے کے جو بنیادی اصول بیان کیے ہیں وہ یہ ہیں:

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (1)

"(آپ ﷺ) لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے بلائیے اور ان کے ساتھ پسندیدہ طریقہ سے بحث کیجئے۔"

"اسلام" کی یہ ایک ایسی انفرادیت ہے جو اسے تمام الہامی اور غیر الہامی مذاہب سے ممتاز کرتی ہے۔ سید سلمان ندویؒ (م 1953ء) لکھتے ہیں:

"یہ نکتہ کہ کس طرح لوگوں کو سچائی قبول کرنے کی دعوت دینی چاہیے، دنیا میں پہلی دفعہ محمد رسول اللہ

OPEN ACCESS
CC BY

ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا، وہ مذہب بھی جو الہامی اور تبلیغی ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں، یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے صحیفوں نے ان کے لیے تبلیغ کے اہم اصول کی تشریح کی ہے، لیکن صحیفۂ محمدیﷺ نے نہایت اختصار لیکن پوری تشریح کے ساتھ اپنے پیروؤں کو یہ بتایا کہ پیغامِ الٰہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان کو قبولِ حق کی دعوت کس طرح دی جائے۔"(2)

مذاہبِ عالم میں عملی طور پر صرف عیسائیت اور اسلام ہی تبلیغی مذاہب ہیں، دیگر تمام مذاہب کا دائرۂ کار کسی خاص علاقے یا نسل تک محدود ہے، جبکہ عیسائیت کی عالم گیر دعوت اور اشاعت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے منافی ہے کیونکہ ان کی بعثت خاص بنی اسرائیل کی طرف ہوئی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان ہے:

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔"(3)

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب بارہ نقیب مقرر فرمائے اور ان کو مختلف علاقوں کی طرف دعوت و تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا تو بطورِ خاص ان کو تلقین فرمائی:

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔"(4)

الغرض یہ کہ صرف اسلام ہی ہے جس نے اپنے پیروکاروں کو نہ صرف دینِ اسلام کی ترویج و اشاعت کا حکم دیا ہے بلکہ دیگر مذاہب اور تہذیبوں کے ساتھ مکالمے کے بنیادی اصولوں کی تعلیم بھی دی ہے۔ داعیٔ اعظمﷺ نے مختلف اقوام اور تہذیبوں کے ساتھ جو مکالمہ فرمایا، سیرتِ طیبہ سے اس کی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ ایک طرف حضور اکرمﷺ نے عرب کی مشرکانہ تہذیب کے نمائندہ افراد، سردارانِ قریش اور ان کے وفود سے انفرادی اور اجتماعی سطح پر مکالمہ کیا، اور دوسری طرف ورقہ بن نوفل سے لے کر نجران کے عیسائی علماء سے آپﷺ کا مکالمہ گویا عیسائیت سے انفرادی اور اجتماعی سطح پر مکالمہ تھا۔ اسی طرح مدنی دَور میں "میثاقِ مدینہ" جس کے بڑے فریق یہودی قبائل تھے، یہود سے مکالمہ ہی کی ایک صورت تھی۔

ہم زبانی: بین المذاہب مکالمے کا بنیادی اصول:

حضورﷺ کے نزدیک مکالمہ بین المذاہب کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپﷺ نے مختلف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دوسری قوموں کی زبانیں سیکھنے کا حکم دیا، کیونکہ دعوت و تبلیغ اور باہمی مکالمہ میں تاثیر اور قوت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب پیغام کی زبان آسان، نرم اور قابلِ فہم ہو، ہم زبانی سے اُنسیت میں اضافہ ہوتا ہے، اجنبیت دُور ہو جاتی ہے اور گفتگو کا مقصد آسانی سے سمجھا اور سمجھایا جاسکتا ہے۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر رسول اللہﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (م44ھ) کو سُریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، تاکہ یہود سے انہی کی زبان میں گفتگو کی جاسکے اور انہی کی زبان میں ان کے خطوط کا

OPEN ACCESS
CC BY

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-1 Issue-2 (July-December, 2023)
ISSN: (2311-6552)

جواب دیا جاسکے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کا بیان ہے:

"فتعلّمت کتابھم مامرّت بی خمس عشرۃ لیلۃ حتی حذقتہ و کنت اقراء لہ کتبھم اذا کتبوا الیہ واجیب عنہ اذا کتب"(5)

"پس میں نے ان کی زبان میں لکھنا سیکھ لیا۔ ابھی پندرہ دن نہیں گزرے تھے کہ میں اس میں ماہر ہو گیا۔ جب یہودی کوئی خط آپ ﷺ کی طرف لکھتے تو میں آپ ﷺ کو پڑھ کر سنا دیتا اور اگر آپ ﷺ کو جواب لکھنا ہوتا تو میں وہ لکھ دیتا۔"

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ ایک ایرانی عورت حضرت ابو ہریرہؓ (م 58ھ) کی خدمت میں استغاثہ لے کر آئی کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اب مجھ سے میرا بیٹا بھی چھیننا چاہتا ہے، اس عورت نے یہ ساری گفتگو فارسی زبان میں کی اور حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی اس سے اسی زبان میں گفتگو کی اور پھر آپؓ نے بچہ عورت کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔(6)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دوسری قوموں کی زبانیں صرف اس غرض سے سیکھ رکھی تھیں تاکہ ان سے براہِ راست تبادلہ خیال کر کے اس کے مسائل کو حل کیا جاسکے۔ بعض روایات سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید کے بعض اجزاء کا دوسری زبانوں میں ترجمہ بھی کیا تھا تاکہ عربی زبان سے ناواقف لوگ اسلام کی حقیقی رُوح اور تعلیمات سے محروم نہ رہ جائیں۔ چنانچہ علامہ سرخسیؒ (م 490ھ) لکھتے ہیں:

"ان الفرس کتبوا الی سلمان ؓ ان یکتب لھم الفاتحۃ بالفارسیۃ فکانوا یقرءون ذالک فی الصلوۃ حتیٰ لانت السنتھم للعربیۃ"(7)

"بعض نو مسلم ایرانیوں نے حضرت سلمانؓ کی خدمت میں لکھا کہ ان کے لیے سورۃ الفاتحہ کو فارسی میں نقل کر دیا جائے، چنانچہ وہ لوگ (اسی ترجمہ کو) نماز میں پڑھتے تھے یہاں تک کہ وہ عربی سیکھ گئے۔"

اسی واقعے کو ڈاکٹر حمید اللہؒ نے "النہایۃ حاشیۃ الھدایۃ" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

"حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (م 33ھ) نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے یہ کام انجام دیا اور ان کے ترجمے کا ایک جز بھی نقل کیا ہے کہ: "بنامِ خداوند بخشایندہ مہربان" یہ بسم اللہ کا ترجمہ ہے۔"(8)

شاہانِ عالم کی طرف بھیجے جانے والے نبوی سفراء کا معجزانہ طور پر انہیں قوموں کی زبان میں گفتگو کرنے لگ جانا بھی دعوت و تبلیغ اور مکالمے میں زبان کی یکسانیت کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔(9)

اس کے علاوہ جن صحابہ کرامؓ کو رسول اللہ ﷺ نے مختلف قوموں کی طرف داعی اور مبلّغ بنا کر روانہ فرمایا، اس میں بھی یہ چیز آپ ﷺ کی حکمتِ عملی کا حصہ نظر آتی ہے کہ وہ مبلّغ اسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں، بصورتِ دیگر وہ اس قوم کی زبان، رسم و

OPEN ACCESS
CC BY

رواج اور کلچر سے آگاہ ہوں۔ بہر حال آپ ﷺ کے طرزِ عمل سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی نظر میں بین المذاہب مکالمے کو اس قدر اہمیت حاصل تھی کہ آپ ﷺ نے اس مقصد کے لیے صحابہ کرامؓ کی باقاعدہ تربیت فرمائی۔

اسلام کی ترجیح؛ امن اور مکالمہ:

سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کو جنگ اور امن میں سے کسی ایک پہلو کو اختیار کرنے کا موقع ملا تو آپ ﷺ نے ہمیشہ امن کو ترجیح دی۔ یہی وجہ ہے کہ ''صلح حدیبیہ''(6ھ) کے موقع پر آپ ﷺ نے جنگ پر امن کو ترجیح دی اور ایسی شرائط پر بھی صلح کو قبول کر لیا جن سے بظاہر مسلمانوں کی پسپائی کا واضح تاثر ملتا تھا، اگرچہ ان شرائط کے قبول کرنے سے مسلمانوں کی دل شکنی ہوئی، لیکن آپ ﷺ نے جنگ پر امن کو ترجیح دی کیونکہ آپ ﷺ اپنے نورِ بصیرت سے دیکھ رہے تھے کہ امن کی صورت میں جب اسلامی اور مشرکانہ تہذیب کے درمیان آزادانہ ماحول میں مکالمہ ہوگا تو قریش اور دیگر قبائل کو مسلمانوں کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد ملے گی اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب مسلمان اور قریش باہم ایک دوسرے سے آزادانہ طور پر ملنے لگے اور انہی میں ایک دوسرے کے موقف کو سننے اور سمجھنے کا موقع ملا تو صرف دو سال کے قلیل عرصہ یعنی فتح مکہ 8ھ تک اتنے کثیر لوگ مسلمان ہوئے جتنے پہلے تمام عرصے میں نہیں ہوئے تھے۔ امام زہریؒ (م125ھ) کا بیان ہے:

> **”فمافتح فی الاسلام فتح قبله کان اعظم منه، انما کان القتال حیث التقی الناس، فلما کانت الهدنة، و وضعت الحرب وآمن الناس بعضهم بعضا، التقوا فتفاوضوا فی الحدیث المنازعة، فلم یکلم احد بالاسلام یعقل شیئا الا دخل فیه، ولقد دخل فی تینک السنتین مثل من کان فی الاسلام قبل ذلک او اکثر“(10)**
>
> ''صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام میں اتنی بڑی فتح حاصل نہیں ہوئی تھی، لوگ جہاں بھی ملتے جنگ ہو کر رہتی تھی، لیکن جب صلح ہو گئی، جنگ موقوف ہو گئی اور لوگ ایک دوسرے سے بے خوف ہو گئے، باہم ملے جلے باتیں ہوئیں تو کوئی عقل مند ایسا نہیں تھا جس سے اسلام کے متعلق گفتگو ہوئی اور اس نے قبول نہ کر لیا۔ چنانچہ جتنے لوگ ابتداء سے اب تک مسلمان ہوئے تھے صرف ان دو برسوں میں ان کے برابر بلکہ ان سے زیادہ تعداد میں لوگ مسلمان ہو گئے۔''

یہاں ضمناً ایک اور بات کا ذہن نشین رہنا بھی ضروری ہے کہ ہمارے ہاں اسلام کی امن پسندی پر استدلال کے لیے صلح حدیبیہ کا حوالہ جس انداز سے دیا جاتا ہے اس سے اس عظیم تاریخی واقعے کی حیثیت محض ایک منفی سمجھوتے کی سی ہو کر رہ جاتی ہے، حالانکہ کوئی بھی تاریخی واقعہ یک دم وقوع پذیر نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا ایک پورا پس منظر ہوتا ہے۔ صلح حدیبیہ کو بھی اگر اس کے تاریخی پسِ منظر میں دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سن 6ھ سے قبل کے واقعات، اسلام کے متعلق ہر قسم کے مفعولی تاثر کو ختم کر چکے تھے، اس پسِ منظر میں صلح کا معاہدہ مسلمانوں سے زیادہ خود قریش کی ضرورت تھا، یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ

OPEN ACCESS
CC BY

نے خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں سے مشہور بیعت "بیعتِ رضوان" لی اور مسلمان جنگ کے لیے تیار ہو گئے تو قریش نے عافیت اسی میں جانی کہ صلح کے موقع کو ضائع نہ کیا جائے، تاہم آپ ﷺ نے جن شرائط پر صلح کی اس سے آپ ﷺ کی امن پسندی کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

اسلام میں دعوت اصل ہے اور جہاد ضرورتاً جہاد کی اگر اجازت ہے تو وہ صرف اسلامی تہذیب و تمدن کے دفاع اور استحکام کے لیے ہے، اس لیے لامحالہ اسلام کی ترویج واشاعت کا تمام تر انحصار صرف دعوت و تبلیغ اور باہمی مکالمہ پر ہے، اس لیے ایک سچے داعی کی حیثیت سے ہمارے لیے بین المذاہب مکالمہ کی ضرورت واہمیت کو تسلیم کرنا دینِ اسلام کا بنیادی تقاضا بن جاتا ہے۔ جب اسلام کی ترویج واشاعت کا تمام تر انحصار دعوت و تبلیغ اور باہمی مکالمہ پر ہی ہے تو اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ باہمی مکالمہ اور امن و امان کا ماحول اسلام کی ضرورت ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب بھی دلائل کی بنیاد پر گفتگو ہو گی تو میدان ہمیشہ اسلام اور اہلِ اسلام کے ہاتھ ہی رہے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ (11)

"وہ اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے، خواہ مشرکوں کو کیسا ہی ناگوار ہو۔"

اس آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ اسلام کا غلبہ تمام ادیانِ عالم پر عقل واستدلال کی رُو سے تو مطلق ہے اور وہ کسی زمانہ اور وقت کے ساتھ مخصوص نہیں، البتہ مادی غلبہ اہلِ اسلام کی اہلیت اور صلاحیت کے ساتھ مشروط ہے، کیونکہ آزادانہ مباحثے اور مکالمے میں آخر کار جو چیز باقی رہے گی، وہ سچائی ہے، جبکہ کامل اور بے داغ سچائی اسلام کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں ہے۔ اسلام کے پاس طاغوت کو شکست دینے کے لیے دلائل وبراہین کی ہرگز کمی نہیں ہے اور مکالمے کی میز پر یہی ہمارا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب دلیل ہار جائے تو انسان اوچھے ہتھکنڈوں پر اُتر آتا ہے۔ توہین آمیز خاکوں سمیت اہلِ مغرب کی اسلام کے خلاف موجودہ آویزش دراصل دلیل کی شکست کا اعتراف ہی تو ہے، اس وقت جبکہ مغرب دلیل کی زبان میں اسلام کا مقابلہ کرنے سے پہلو تہی کر رہا ہے اور اپنی برتر ٹیکنالوجی کی بنیاد پر مسلمانوں کا مقابلہ جنگ کے میدان میں کرنا چاہتا ہے، مسلمان اہلِ دانش کا کام یہ ہے کہ وہ اہلِ مغرب کو مکالمے کی اس میز پر کھینچ لائیں جہاں انہیں مدِّ مقابل پر فیصلہ کن برتری حاصل ہے، کیونکہ یہی وہ میدان ہے جس میں اسلام کی کامیابی کے امکانات سو فیصد ہیں بشرطیکہ ہم اسلام کو صحیح طور پر اپنے مخاطبین کے سامنے پیش کر سکیں۔

اس موقف کی ایک دلیل وہ مکالمہ بھی ہے جو نجران کے عیسائی علماء اور حضور اکرم ﷺ کے درمیان ہوا، جب عیسائی علماء حضور اکرم ﷺ کے دلائل کے سامنے بالکل عاجز آ گئے تو انھوں نے "جزیہ" دینے کی شرط پر آپ ﷺ کے ساتھ صلح کر لی۔ عیسائی علماء کا دلیل اور استدلال کو چھوڑ کر جزیہ پر صلح کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس حقیقت کو جان چکے تھے کہ اسلام کا مقابلہ مکالمے اور

OPEN ACCESS
CC BY

استدلال کی زبان میں ممکن نہیں۔

اہل علم واقف ہیں کہ ولیم میور(م1905ء)نے اپنی کتاب "The life of Muhammad" میں رسول اللہ ﷺ کے مقام اور مرتبہ کو کم کرنے کی کوشش کی تو علامہ شبلی نعمانیؒ(م1914ء)نے اپنے قلم کو جنبش دی،اپنے شعور کو مجتمع کیااور اپنے فہم وادراک کو کام میں لاتے ہوئے "سیرت النبی ﷺ" جیسی معرکۃ الآراء کتاب سے مستشرق موصوف کا منہ بند کر دیا۔علاوہ ازیں "ضیاء النبی ﷺ" کی صورت میں پیر محمد کرم شاہ الازھریؒ(م1998ء)نے بھی یہی خدمت انجام دی ہے۔

عصر حاضر میں اسلام کا مکالمہ، لیکن کس مذہب سے؟

اس وقت مختلف سطحوں پر بین المذاہب مکالمے کی ضرورت واہمیت پر زور دیا جارہا ہے۔ جون 2004ء میں اوسلو (ناروے)میں پہلی بین المذاہب کانفرنس منعقد ہوئی جس میں گورنمنٹ آف ناروے اور نارویجن چرچ کی دعوت پر مولانا محمد حنیف جالندھری، مفتی منیب الرحمن، ریاض حسین نجفی اور بشپ سموئیل عزرایاہ وغیرہ نے شرکت کی۔ عالمی سطح کی اس بین المذاہب کانفرنس میں مختلف مذاہب کے ماننے والوں نے بین المذاہب ہم آہنگی اور محبت کی فضا کو فروغ دینے پر زور دیا۔

"اعلانِ اوسلو" کے تحت پاکستان میں بھی "ورلڈ کونسل آف ریلیجنز برائے عالمی امن وعدلِ اجتماعی" کے زیر اہتمام 16 ستمبر 2004ء کو نیشنل لائبریری ہال، اسلام آباد، میں پہلی بین المذاہب کانفرنس کا انعقاد عمل میں لایا گیا۔اس کے بعد سے یہ سلسلہ مسلسل جاری وساری ہے۔یقیناً یہ ساری کوششیں لائقِ صد تحسین اور قابلِ قدر ہیں، لیکن اس ساری تگ ودَو کے مثبت اور دُوررس نتائج اسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب ہم بعض باتیں طے کرلیں۔سب سے پہلی بات تو ہمیں یہ طے کرنا ہے کہ آج کی عالمی صورتِ حال میں اس مکالمے کے اصل فریق کون ہیں؟۔۔اور دوسرا، یہ کہ اس مکالمے کا ایجنڈا کیا ہے؟۔۔اس طرح ہمارے لیے یہ ممکن ہو گا کہ ہم علمی حلقوں میں اپنا موقف بہتر طور پر پیش کر سکیں۔

فی الوقت دنیا میں اسلام کے علاوہ عیسائیت، یہودیت، ہندومت، بدھ مت، جین مت وغیرہ ہی کو دنیا کے بڑے اور زندہ مذاہب کی صف میں شمار کیا جاسکتا ہے۔وحی، الہام اور خدا پر یقین رکھنے والے زیادہ تر لوگوں کا تعلق انھی مذاہب سے ہے، اپنی غیر فطری اور غیر عقلی تعلیمات کی وجہ سے ان مذاہب کا ماضی میں بھی انسانی سوسائٹی کے اجتماعی معاملات سے کوئی زیادہ تعلق نہیں رہا ہے، لیکن عقل پرستی(Rationalism)کے موجودہ دَور میں مذہب کا لوگوں کی ذاتی زندگی سے عمل دخل بھی بڑی تیزی کے ساتھ ختم ہو رہا ہے، اور اس وقت عملی طور پر مسلمانوں کے علاوہ انسانوں کی غالب اکثریت لادین اور سیکولر ہے۔اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ اسلام کے بعد اس وقت بلاامتیازِ رنگ ونسل پوری دنیا میں مغربی سیکولرازم مقبول ترین مذہب کی حیثیت اختیار کرچکا ہے، تو غلط نہ ہو گا۔دورِ حاضر میں مغربی فکر وفلسفہ کی بنیاد پر پروان چڑھنے والا سیکولرازم ہی اسلام کا اصل مدِّمقابل ہے۔

حالات کے سرسری جائزے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس وقت مغرب اور مسلمانوں کے درمیان جو علمی، فکری اور

OPEN ACCESS
CC BY

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-1 Issue-2 (July-December, 2023)
ISSN: (2311-6552)

تہذیبی کشمکش جاری ہے اس کے اصل فریق مغرب کے مذہب سے منحرف سیکولر حلقے اور مذہب پر پختہ یقین رکھنے والے مسلمان ہیں، جبکہ عیسائی علماء اس مکالمے کے اصل فریق نہیں ہیں کیونکہ مغرب کے عیسائی رہنما جس مذہب کی نمائندگی کرتے ہیں، اس کا مغرب کی اجتماعی زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے موجودہ کشمکش میں عیسائی علماء سے مکالمہ کی افادیت محدود ہے۔

اس واضح حقیقت کے باوجود ہمیں عیسائیت اور دیگر مذاہب سے گفتگو اور مکالمے سے انکار نہیں ہے، تاہم روایتی عیسائی حلقے سے ہماری گفتگو اس موضوع پر ہونی چاہیے کہ عیسائی مذہبی رہنما اپنے معاشرے کو وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات کی طرف واپس لانے کے لیے کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟ جبکہ وہ اصولی طور پر یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ مذہب ہر انسان کا ذاتی معاملہ ہے اور انسان کی اجتماعی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔۔۔اس وقت جبکہ پوری دنیا میں صرف مسلمان ہی بنی نوع انسان کی وحی الٰہی اور مذہب کی طرف واپسی کی کوشش کر رہے ہیں، سوال یہ ہے کہ مغرب کے مذہبی حلقے اس حوالے سے مسلمانوں کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟ مسلمانوں کو اپنے عیسائی مخاطبین پر یہ حقیقت واضح کرنی چاہیے کہ وہ دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں جو الحاد اور لادینیت کے خوفناک طوفان کے اندر گھری ہوئی ہے اور الحاد و لادینیت کے اس عالم گیر طوفان کے خلاف مسلمان، مسیحی اور دیگر مذہبی علماء ایک دوسرے کے فطری اتحادی ہیں۔ عیسائی علماء کو یہ احساس دلانے کی ضرورت ہے کہ اگر وہ واقعی وحی اور آسمانی تعلیمات کی صداقت پر پختہ یقین رکھتے ہیں اور انسانی معاشرے پر اس کی علمبرداری کے خواہش مند ہیں تو انہیں سیکولر حلقے کی تائید کی بجائے وحی اور آسمانی تعلیمات کے معاشرتی کردار کی کوشش کرنی چاہیے۔

روایتی مذہبی حلقے سے مکالمے کے بنیادی اصول:

بحیثیت مسلمان ہم پر لازم ہے کہ نسلِ انسانی کی فلاح اور بہتری کے لیے ہم مسیحیت کے ساتھ مکالمہ میں مشترک صفات پہ زور دیں، دینِ ابراہیمی کی مشترک روایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کا احترام اور ہمارے مشترک سماجی بندھن وغیرہ عیسائیت کے ساتھ مکالمے کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کے شاہانِ عالم کے نام خطوط ہمارے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہرقل اور دیگر عیسائی حکمرانوں سے رسول اللہ ﷺ کا بذریعہ خطوط جو مکالمہ ہوا اس میں آیتِ مقدسہ:

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ تَعَالَوْا۟ إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا ٱللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِۦ(12)

"آپ (ﷺ) کہہ دیجیے کہ اے اہلِ کتاب ایسے قول کی طرف آجاؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔"

کا مکرر استعمال ہمارے لیے قابلِ توجہ ہے۔ اسی طرح شاہانِ عالم کے نام خطوط لے جانے والے نبوی سفراء جن کی رسول اللہ ﷺ نے خاص اسی مقصد کے لیے تربیت فرمائی تھی، نے جس طرح اپنے مخاطبین سے مکالمہ کیا، وہ اُسلوب بھی ہمارے لیے بین المذاہب مکالمے کی بنیاد بن سکتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہؓ (م 30ھ) کو مقوقس، شاہِ مصر کی طرف دعوتی خط دے کر

OPEN ACCESS
CC BY

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-1 Issue-2 (July-December, 2023)
ISSN: (2311-6552)

روانہ فرمایا، ابنِ اثیر (م 630ھ) نے حضرت حاطبؓ اور شاہِ مصر کے درمیان ہونے والے مکالمے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"جب شاہِ مصر نے حضرت حاطبؓ سے یہ کہا کہ اگر تمہارے صاحب، اللہ کے رسول ہیں تو پھر تمہارے نبی ﷺ نے اس وقت اپنی قوم کے خلاف بددُعا کیوں نہ کی جب ان کی قوم نے ان کو ان کے اپنے شہر سے نکالا؟ تو حضرت حاطبؓ نے فرمایا: "عیسیٰ (علیہ السلام) بن مریم کی نسبت تو آپ خود کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول تھے، پھر جب ان کو ان کی قوم نے سولی دینے کا ارادہ کیا تو اُنہوں نے ان کو بددُعا کیوں نہ دی؟ یہاں تک کہ اللہ نے ان کو آسمان پر اُٹھالیا۔"۔۔۔ مقوقس اس برجستہ جواب سے بڑا متاثر ہوا اور کہنے لگا:

احسنت! انت حکیم جاء من عند حکیم "(13)

"تم نے اچھا جواب دیا، تم حکیم ہو اور حکیم کے پاس سے آئے ہو۔"

امام ابنِ قیمؒ (م 751ھ) نے مقوقس اور حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے باہمی مکالمے کی جو روایت نقل کی ہے وہ حسب ذیل ہے:

حاطبؓ: (اس زمین پر) تم سے پہلے ایک شخص (فرعون) گزرا ہے جو اپنے آپ کو ربِّ اعلیٰ سمجھتا تھا، اللہ نے اسے آخر واوّل کے لیے عبرت بنا دیا۔ پہلے تو اس کے ذریعے لوگوں سے انتقام لیا پھر خود اس کو انتقام کا نشانہ بنایا، لٰہذا دوسروں سے عبرت پکڑو، ایسا نہ ہو کہ دوسرے تم سے عبرت پکڑیں۔

مقوقس: ہمارا ایک دین ہے جسے ہم چھوڑ نہیں سکتے، جب تک کہ اس سے بہتر دین نہ مل جائے۔

حاطبؓ: ہم تمھیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے تمام ماسوا (ادیان) کے بدلے کافی بنا دیا ہے۔ دیکھو! اسی نبی ﷺ نے لوگوں کو (اسلام کی) دعوت دی تو اس کے خلاف قریش سب سے زیادہ سخت ثابت ہوئے، یہود نے سب سے بڑھ کر دشمنی کی اور نصاریٰ سب سے زیادہ قریب رہے۔ میری عمر کی قسم! جس طرح موسیٰ (علیہ السلام) نے عیسیٰ (علیہ السلام) کے لیے بشارت دی تھی، اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے محمد ﷺ کے لیے بشارت دی ہے اور ہم تمھیں قرآنِ مجید کی دعوت اسی طرح دیتے ہیں جیسے تم اہلِ تورات کو انجیل کی دعوت دیتے ہو۔ جو نبی جس قوم کو پاجاتا ہے وہ قوم اس کی اُمت ہو جاتی ہے اور اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس نبی کی اطاعت کرے اور تم نے اس نبی کا عہد پالیا ہے، اور پھر ہم تمھیں دینِ مسیح سے روکتے نہیں ہیں بلکہ ہم تو اسی کا حکم دیتے ہیں۔

مقوقس: میں نے اس نبی ﷺ کے معاملہ پر غور کیا تو میں نے دیکھا کہ وہ کسی ناپسندیدہ بات کا حکم نہیں دیتے اور کسی پسندیدہ بات سے منع نہیں کرتے، وہ نہ گمراہ جادوگر ہیں، نہ جھوٹے کاہن، بلکہ میں دیکھتا ہوں

OPEN ACCESS
CC BY

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-1 Issue-2 (July-December, 2023)
ISSN: (2311-6552)

کہ ان کے ساتھ نبوت کی یہ نشانی ہے کہ وہ پوشیدہ کو نکالتے ہیں اور سر گوشی کی خبر دیتے ہیں۔ میں مزید غور کروں گا۔" (14)

حضرت حاطبؓ (م 30ھ) اور مقوقس کے باہمی مکالمہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جن اصحابؓ کو دوسری قوموں کی طرف دعوت و تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا، ان کی تربیت پر خصوصی توجہ دی اور خاص طور پر اس بات کا اہتمام فرمایا کہ جو صحابیؓ جس قوم کی طرف جائے، ایک تو وہ اس قوم کی زبان سے اچھی طرح واقف ہو، دوسرا، وہ ان کے کلچر اور رسم و رواج سے واقف ہو، تیسرا، وہ ان کے دین سے جس کو وہ اختیار کیے ہوئے ہیں، آگاہ ہو اور چوتھا یہ کہ وہ اس سرزمین کے پورے جغرافیہ سے بھی مکمل واقفیت رکھتا ہو، تاکہ باہمی مکالمہ میں اسے ان معلومات کی بنا پر اپنے مخاطب پر علمی برتری حاصل رہے۔ ہم نے اختصار کے پیشِ نظر محض ایک مثال ذکر کی ہے، اگر تمام نبوی سفراء کے احوال کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو بین المذاہب مکالمے کے لیے کئی راہنما اصول اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ (15)

اہلِ مغرب کے تحفظات پر مکالمے کا اسلوب:

جو لوگ خدا، رسول اور آخرت پر اعتقاد رکھتے ہوں، ان کے ساتھ مکالمہ نسبتاً آسان ہے۔ اگرچہ اہلِ مغرب کا اب بھی چرچ کے ساتھ کمزور سا تعلق باقی ہے لیکن مغرب کی اکثریت بالخصوص اہلِ یورپ، عیسائیت کی بنیادی تعلیمات سے دست بردار ہو چکے ہیں، اس لیے مسلمان مبلّغین کو مغرب میں تمام خرابیوں کی ذمہ داری عیسائیت کے سر نہیں ڈال دینی چاہیے، بلکہ ان کے ساتھ مکالمے میں ان کے موجودہ نظریات ہی کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ جیسا کہ ہم نے عرض کیا موجودہ علمی اور فکری کشمکش میں اسلام کے ساتھ مکالمے کا اصل فریق اور مدِّ مقابل مغرب کا موجودہ دانش ور اور سیکولر طبقہ ہے، لیکن اس کے ساتھ ہمارا مکالمہ اسی وقت مفید ہو سکتا ہے جب ہم مغربی فکر و فلسفہ کے تاریخی ارتقاء، پسِ منظر اور اس کے اصل فکری سر چشموں سے آگاہی رکھتے ہوں اور مغربی افکار کا تنقیدی جائزہ لینے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اس حوالے سے جن پہلوؤں پر خصوصی غور و فکر کی ضرورت ہے وہ درج ذیل ہیں:

ا۔ ایک تو اس پہلو کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ مغرب "مسیحیت" کو چھوڑ کر موجودہ "سیکولرازم" تک کیوں اور کیسے پہنچا؟ ہمارے لیے اس تاریخی حقیقت کا ادراک ضروری ہے کہ سولہویں صدی عیسوی تک مغرب میں قدیم عیسائیت ہی غالب تھی، طاقت اور اختیار پوپ کے ہاتھ میں تھا۔ مارٹن لوتھر (Martin Luther)(م 1546ء) وہ پہلا شخص تھا جس نے پوپ کے اختیار کو چیلنج کیا اور ساتھ ہی عقلِ انسانی کو وحی کی تعبیر کا واحد ذریعہ قرار دیا۔ یہی وہ دَور ہے جس کے بعد مغربی معاشرے پر عیسائیت کی گرفت آہستہ آہستہ کمزور پڑنے لگی، لیکن جس فکر نے بالآخر عیسائیت کو مکمل پسپائی اور شکست پر مجبور کیا، وہ اٹھارھویں صدی عیسوی میں پروان چڑھنے والی تحریکِ تنویر (Enlightenment Movement) اور تحریکِ رومانیت (Romanticism) ہے۔ مغرب کی موجودہ روشن خیالی کی تحریک کا یہ وہ مختصر پس منظر ہے جس کا پوری

OPEN ACCESS
CC BY

تفصیل کے ساتھ تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔

۲۔ جس کا جائزہ لینا ضروری ہے، وہ تحریکِ استشراق (Orientalism) ہے۔ اہلِ مغرب میں اسلام کے بارے میں پائی جانے والی ان بے شمار غلط فہمیوں کو ہم اس وقت تک نہیں سمجھ سکتے جب تک تحریکِ استشراق کے مقاصد، محرکات اور عالمِ مغرب پر اس کے اثرات کا بھرپور تجزیہ نہ کرلیں، بدقسمتی سے مستشرقین کی مرتب کردہ تاریخ نہ صرف زندہ ہے بلکہ ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر سمجھی جاتی ہے۔اس وقت بھی پوری دنیا میں الیکٹرونک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعہ اسلام کی جو تصویر کشی کی جارہی ہے،اس کا بڑا ماخذ مستشرقین کی وہی تحقیقات ہیں جن کا اسلام کے ساتھ دُور کا بھی واسطہ نہیں۔

۳۔ مغرب کے ساتھ باہمی مکالمہ کی صورت میں تیسری بات جس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں قرآن وحدیث سے راہنمائی توضرور لینی چاہیے تاہم مغرب کی نفسیات کے مطابق ہمیں سب سے پہلے اسلامی تعلیمات کے عقلی جواز پر بات کرنا ہوگی اور مغرب کے موجودہ سماجی علوم کے ساتھ تقابلی مطالعہ کے بعد اسلامی احکام کی افادیت پر دلائل پیش کرنا ہوں گے اور اسلامی تعلیمات کی سماجی اور معاشرتی اہمیت واضح کرنا ہوگی۔یہ بات قابلِ غور ہے کہ اسلامی احکام کے اَسرار وحکم پر حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (م1176ھ) کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے بعد کوئی بھی قابلِ قدر کتاب سامنے نہیں آئی۔

مغربی اقدار اور اہلِ مغرب کے تحفظات:

مغرب،اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو تحفظات رکھتا ہے،وہ دو طرح کے ہیں:

ا۔ مغرب کے پہلی قسم کے تحفظات تو وہ ہیں جن کا تعلق اسلامی تاریخ اور نظامِ معاشرت سے ہے۔اسلامی تعلیمات کا یہ وہ حصہ ہے جس کا براہِ راست ٹکراؤ مغرب کے موجودہ طرزِ معاشرت سے ہے۔

۲۔ دوسری قسم کے تحفظات وہ ہیں جن کا تعلق دین کی اساس اور بنیاد سے ہے۔مغرب کے ساتھ ہمارا مکالمہ اس وقت تک مفید نہیں ہوسکتا جب تک ہم کھلے ذہن اور مکمل تیاری کے ساتھ ان کے تمام تحفظات پر بات کرنے کے لیے تیار نہ ہوں۔سب سے پہلے تو ہمیں مغرب سے اس موضوع پر مکالمہ کرنا ہوگا کہ وہ دینِ اسلام پر ایک نظامِ حیات اور طرزِ معاشرت کے طور غور کرے۔

انسانی حقوق اور اسلام:

اس وقت مغرب میں مساوات،آزادی اور بنیادی انسانی حقوق کے حوالے سے بڑی حساسیت پائی جاتی ہے۔بدقسمتی سے اسلام کے بارے میں یہ غلط تاثر پھیلایا گیا ہے کہ اسلام میں بنیادی انسانی حقوق اور خاص طور پر عورتوں کے حقوق کو بری طرح پامال کیا گیا۔ہمیں اہلِ مغرب پر واضح کرنا ہوگا کہ اسلام تمام انسانی حقوق کا تحفظ کرتا ہے اور اس کے عطا کردہ حقوق ہی فطری بنیادوں پر مبنی ہیں۔مثلاً جب اسلام ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیتا ہے تو کیا یہ حرمتِ انسان کا بہترین

OPEN ACCESS
CC BY

قانون قرار نہیں پائے گا؟اسی طرح اسلام کی بیان کردہ دوسری تمام سزائیں بھی "انسانی حق" کے اثبات ہی کے لیے ہیں۔اسی طرح عورتوں کے حقوق میں بھی ان کے فطری دائرۂ کار اور نفسیات کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔

ایک داعی کی حیثیت سے جو بات خصوصی توجہ کی مستحق ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ انسانی حقوق کے عالمی منشور (Universal Declaration of Human Rights)جو بجا طور پر آج کا عالمی قانون ہے، کی تمام شقوں کو قبول کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے، تاہم ہمیں اس بحث میں زیادہ مثبت اور تعمیری انداز میں حصہ لینا چاہیے اور اگر باہمی مکالمہ میں کسی جگہ لچک کی گنجائش موجود ہو تو اس کا لحاظ کیا جانا چاہیے۔اس حوالے سے سیرتِ طیبہ ﷺ سے کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ کئی مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے بھی بین الاقوامی قانون، عرف اور قبائلی رسم و رواج کا احترام کیا۔ مثلاً: جب حضور ﷺ کا مسیلمہ کذّاب کے سفیروں سے مکالمہ ہوا تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ: کیا تم مسیلمہ کو نبی مانتے ہو؟ تو انھوں نے کہا: ہاں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر سفیروں کا قتل جائز ہوتا تو میں تمہیں قتل کروا دیتا۔(16)

دیکھئے! اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے، لیکن آپ ﷺ نے ان پر یہ حد جاری نہیں کی بلکہ فرمایا کہ چونکہ عالمی قانون یہ ہے کہ سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا، اس لیے میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں ورنہ میں تمہیں قتل کروا دیتا۔

سن 9ہجری میں اقرع بن حابسؓ کی زیرِ قیادت بنو تمیم کا وفد اسلام قبول کرنے کے لیے بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا ، لیکن ان لوگوں نے قبولِ اسلام کے لیے بڑی عجیب شرط لگائی کہ آپ ﷺ پہلے ہمارے ساتھ "مفاخرت" کریں، آپ ﷺ کا خطیب ہمارے خطیب کا اور آپ کا شاعر ہمارے شاعر کا مقابلہ کرے، تب ہم اسلام قبول کریں گے۔آپ ﷺ نے ان کے اس مطالبہ کو قبول کیا، چنانچہ آپ ﷺ کے حکم پر حضرت حسان بن ثابتؓ نے ان کے شاعر "زبرقان بن بدر" کا مقابلہ کیا اور ثابت بن قیسؓ نے ان کے خطیب عطارد ابن حاجب کا مقابلہ کیا۔ بنو تمیم نے بالآخر حضور ﷺ کے شاعر اور خطیب کی برتری کو تسلیم کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا۔(17)

دیکھا جائے تو وفدِ بنو تمیم کا مطالبہ بالکل لایعنی تھا، بالفرض اگر مسلمانوں کا شاعر اور خطیب مقابلے میں شکست بھی کھا جاتے تو پھر بھی اسلام کی حقانیت میں کوئی شک نہ تھا، لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے ان کے رسم و رواج کا احترام کیا۔اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوسری قوموں کے ساتھ مکالمے کی اتنی زبردست تیاری کر رکھی تھی کہ بنو تمیم نے جب قبولِ اسلام کی یہ عجیب و غریب شرط رکھی، تو آپ ﷺ نے بلا جھجک اپنے ان ساتھیوں کو طلب کیا جن کی خاص اسی مقصد کے لیے تربیت کی گئی تھی۔اسی طرح جب آپ ﷺ نے شاہانِ عالم کے نام دعوتی خطوط روانہ کرنے کا پروگرام بنایا تو واقفانِ حال نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! حکمرانوں میں یہ اصول ہے کہ وہ ان خطوط پر کوئی خاص توجہ نہیں دیتے جن پر کوئی مہر اور

OPEN ACCESS
CC BY

سیل(Seal)وغیرہ نہ ہو، چنانچہ اسی وقت آپ ﷺ نے خطوط کو مُہر بند کرنے کے لیے مہر بنانے کا حکم دیا۔(18)

رئیس المنافقین عبد اللہ بن اُبی کے کردار سے کون واقف نہیں؟اس کی شرانگیزیوں کی وجہ سے اسلام کو کئی دفعہ نقصان اٹھاناپڑا۔ صحابہ کرامؓ نے بارہااس کے قتل کاارادہ کیا، حتی کہ ایک دفعہ توخود ان کے اپنے صاحب زادے، جو مخلص مومن تھے، نے بھی حضور ﷺ سے اپنے باپ کے قتل کی اجازت طلب کی، لیکن نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کوایسے کسی بھی عمل سے سختی کے ساتھ منع کر دیااور فرمایاکہ میں اس چیز کو پسند نہیں کرتا کہ لوگ یہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کے قتل کا حکم دیتے ہیں۔اصولی اعتبار سے دیکھا جائے توعبداللہ بن ابی سخت ترین سزا کا مستحق تھا لیکن آپ ﷺ نے اس سے پھر بھی در گزر فرمایا، صرف اس وجہ سے کہ کہیں عام لوگوں کے ذہن میں اسلام کے بارے میں کوئی منفی تاثر پیدا نہ ہو جائے۔ گویاآپ ﷺ کی نظر اصولی حکم کے نفاذ کے علاوہ اس کے نتائج اور عملی اثرات پر بھی تھی۔

ان مثالوں سے واضح ہوتاہے کہ ایک داعی کے لیے نہ صرف عالمی قانون، رسم ورواج اور عرف سے واقفیت ضروری ہے ،بلکہ اگر دعوت اور مکالمہ کے مثبت نتائج کی توقع ہوتو دیگر اقوام کے قوانین اور رسم ورواج کا ممکن حد تک لحاظ اور احترام بھی کیاجاسکتا ہے اور اسی طرح اگر کسی اسلامی حکم کا نفاذ وقتی مصلحت کے خلاف ہو تو اس کے نفاذ میں توقف بھی کیا جاسکتاہے۔عصرِ حاضر میں مسلمان قانون دانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ بین الاقوامی قانون کا سیرتِ طیبہ ﷺ کی روشنی میں مطالعہ کریں اور ان پہلوئوں کا جائزہ لیں جہاں باہمی گفتگو اور مکالمہ میں لچک کے پہلو کو مد نظر رکھا جاسکتاہے۔

اسلام کا تصورِ جہاد:

اسلام کے بارے میں اہلِ مغرب کو جو غلط فہمیاں ہیں، ان میں سے ایک اسلام کا تصورِ جہاد ہے۔مدنی دَور میں رسول اللہ ﷺ نے چھوٹی بڑی تقریباً87(ستاسی) مہمات ترتیب دیں، ان تمام مہمات کے مقاصد، محرکات اور اہداف مختلف تھے، ان میں سے بعض مہمات انسدادی نوعیت کی تھیں توبعض دفاعی نوعیت کی، جبکہ بعض خالص دعوتی اور تبلیغی نوعیت کی تھیں، لیکن محدثین اور مسلمان سیرت نگاروں نے ان تمام مہمات کو جن میں ترتیب اور تنظیم کا معمولی سا بھی خیال رکھا گیا تھا ''کتاب المغازی'' اور ''غزوات و سرایا'' کے عنوان سے ذکر کر دیا جس سے اس غلط پروپیگنڈا نے جڑ پکڑی کہ اسلام جنگ وجدال کا دین ہے۔مغرب میں یہ تاثرعام ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا ہے اور اگر اب بھی مسلمانوں کو موقع ملا تو وہ بزورِ شمشیر اسلام کو تمام دنیا پر غالب کر کے دم لیں گے۔اسلام کے تصورِ جہاد کے حوالے سے اہلِ مغرب کے ساتھ ہمارا مکالمہ دو پہلوؤں پر ہونا چاہیے:۔

پہلی بات تو ہمیں یہ واضح کرنا ہو گی کہ ابتدائی ایک دو صدیوں میں اسلام کے اسپین، وسطی ایشیاء اور بر صغیر تک پھیلنے کی بڑی وجہ اسلامی تعلیمات کی کرشمہ سازی اور مسلمان مبلّغین کی ان تھک کوششیں ہیں۔ دنیا کے کتنے ہی علاقے ایسے ہیں جہاں اسلامی فوجوں کا کبھی بھی داخلہ نہیں ہوا لیکن اسلام وہاں بھی موجود ہے، انڈونیشیا اور ملائیشیا پر بھلا کون سی اسلامی فوجیں حملہ آور ہوئی

تھیں؟ لیکن کیا وہاں مسلمان اکثریت میں نہیں ہیں؟ اس لیے تاریخ کا کوئی بھی سنجیدہ طالب علم اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ اسلامی تاریخ کے کسی بھی دَور میں اسلام کو دوسری اقوام پر ٹھونسنے کے لیے تلوار سے مدد لی گئی ہے۔

اس موضوع پر پروفیسر ٹی۔ڈبلیو آرنلڈ کی کتاب "The Preaching of Islam" ہمارے لیے بنیادی حوالے کی حیثیت رکھتی ہے۔ بد قسمتی سے جہاد کے بارے میں ہم اسلامی نقطۂ نظر کو اہلِ مغرب پر پوری طرح واضح نہیں کر سکے۔ عام لوگ اب بھی اسی پرانی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ ہمیں اہلِ مغرب کو قائل کرنا ہوگا کہ اسلام کے پھیلاؤ کی وجوہات دیگر بھی ہیں۔ مثلاً ہمیں دلائل کے ساتھ بتانا ہوگا کہ بہت سے عیسائی جن سے ابتدائی دَور میں اسلام کا مکالمہ ہوا، وہ بھی مسلمانوں کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل نہیں تھے۔ اس عقائد کی یکسانیت ابتدائی دَور کے مسیحیوں کے قبولِ اسلام کا بڑا سبب بنی ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہؒ (م 2001ء) لکھتے ہیں:

"نجاشی فرقہ "طبیعت واحد" (یعنی مانو فرائٹ) کا عیسائی تھا، اور اُن دِنوں اس فرقے اور یونان کے عیسائیوں میں بڑے سخت اختلافات تھے۔ آخر الذکر اس بات کے قائل تھے کہ حضرت عیسیٰ میں بوقت واحد دو طبیعتیں تھیں؛ انسانی اور خدائی بھی۔ ابرہہ جو (یمن میں) نجاشی کا نائب تھا، حضرت عیسیٰ کو "ابن اللہ" نہیں مانتا تھا بلکہ صرف مسیح اللہ۔ غالباً نجاشی کے بھی یہی عقائد ہوں گے، اور یہ مسلمانوں کے عقائد کے بہت مماثل ہیں۔"(19)

اسی طرح روم اور ایران کے لوگوں نے قیصر و کسریٰ کی نسبت مسلمانوں کے عادلانہ اور سماجی مسوات پر مبنی اندازِ حکمرانی اور مناسب اور قانونی ٹیکسوں کے نفاذ کو خوش آمدید کہا اور یہی چیز ان کے قبولِ اسلام کا بنیادی سبب بنی۔

دوسرا، ہمیں اہلِ مغرب کو یہ احساس دلانا ہوگا کہ جنگ، انسانی نفسیات کا لازمی جزو ہے۔ اس لیے دنیا کی ہر تہذیب میں جنگ بہر طور موجود رہی ہے۔ اہلِ مغرب جو اس وقت امن کے سب سے بڑے داعی ہیں، ان کا موجودہ رویہ اس حقیقت کا زندہ ثبوت ہے۔ اسلام نے انسانی نفسیات کے اس پہلو سے آنکھیں بند نہیں کیں بلکہ انسان کے جنگی جنون کی تہذیب و تطہیر کر کے اس کو جہاد کے روپ میں پیش کیا ہے، اس سلسلے میں جہاد و قتال کے اسلامی قواعد و ضوابط، جنگی جنون کی منفیت عیاں کرنے کو کافی ہیں۔

اسلامی دُنیا میں مذہبی تکثیریت کا وجود:

اہلِ مغرب میں اسلام کے بارے یہ غلط فہمی بھی پائی جاتی ہے کہ اسلامی معاشرے میں اقلیتوں کے حقوق کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اس لیے مغرب سے مکالمہ میں اس نکتہ کو اجاگر کرنا ضروری ہے کہ عہدِ رسالت ﷺ اور اس کے بعد کی اسلامی دنیا بالخصوص مصر، لبنان، انڈیا اور عثمانی ترکوں کے دَور میں ہمیشہ قرآنی اصول کے مطابق لوگوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل رہی ہے۔ اسلامی دنیا میں مذہبی تکثیریت کا وجود ہمارے موقف کی واضح شہادت مہیا کرتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن مجید کی اصولی

OPEN ACCESS
CC BY

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-1 Issue-2 (July-December, 2023)
ISSN: (2311-6552)

تعلیم :لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ(256/2)(دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے) کی نظری اور عملی تبلیغ اور اشاعت کی جائے۔اس کے علاوہ عہدِ رسالت ﷺ، عہدِ خلافتِ راشدہ اور مسلم عروج کے ان تاریخی معاہدات سے بھی استشہاد کیا جاسکتا ہے، جن میں مذہبی آزادی کے تحفظ کا وعدہ کیا گیا ہے۔

خلافت اور جمہوریت:

اسلام کے حوالے سے مغرب میں ایک اور غلط فہمی یہ پائی جاتی ہے کہ اگر مسلمان اقتدار میں آگئے تو وہ پوری دنیا میں "خلافت کا نظام" نافذ کریں گے اور طالبان طرز کا کوئی نظامِ حکومت نافذ کرکے لوگوں کی شخصی آزادیاں اور حقوق سلب کرلیں گے۔ اسلامی نظامِ خلافت کے خلاف اہلِ مغرب کی اس غلط فہمی کی اصل وجہ اور پسِ منظر سمجھنے کی ضرورت ہے۔

مغرب کی اس غلط فہمی کی بڑی وجہ مغرب کا وہ دَور ہے جسے "قرونِ مظلمہ" (Dark Ages) کہا جاتا ہے، جس میں "پوپ" ہی طاقت کا اصل سرچشمہ اور وہی فائنل اتھارٹی (Final Authority) تھا۔ پوپ نے ہمیشہ اربابِ حل وعقد کا ساتھ دیا اور حکمرانوں کو مذہبی تحفظ فراہم کیا، دوسری طرف عوام کو کسی قسم کے سیاسی حقوق حاصل نہ تھے۔ اصل میں مغرب نے اسلام کے نظامِ خلافت کو بھی یورپ کے دورِ تاریک میں اپنے ہاں پائی جانے والی مذہبی حکومتوں پر قیاس کر رکھا ہے۔ مغرب نے صدیوں کی کشمکش کے بعد جو سیاسی اور شخصی آزادیاں حاصل کیں ہیں، وہ اب انہیں کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا۔

اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم مغرب پر یہ بات واضح کریں کہ اسلام کے تصورِ خلافت کو پاپائیت کے ساتھ کوئی نسبت نہیں کیونکہ مسلمانوں کا خلیفہ عیسائیوں کے پوپ کی طرح خدا کا نمائندہ نہیں ہے، جس کی کسی بات کو نہ تو چیلنج کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی وہ کسی دلیل کا پابند ہے۔ ایک دفعہ جب حضرت صدیق اکبرؓ رضی اللہ عنہ (م ۱۳ھ) کو ایک شخص نے "یاخلیفۃَ اللہ" (اے اللہ کے خلیفہ) کہا تو آپؓ نے فوراً اُس کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"میں اللہ کا خلیفہ نہیں بلکہ اس کے رسول (ﷺ) کا خلیفہ ہوں۔(20)

پوپ کے برعکس مسلمانوں کا خلیفہ خدا کے بجائے رسول اللہ ﷺ کا نمائندہ ہے، جو مطلق العنان نہیں بلکہ دلیل کا پابند ہوتا ہے، جس سے اختلاف بھی کیا جاسکتا ہے، اور جو ایک خاص دائرے میں رہ کر ہی اپنے فرائضِ منصبی ادا کرسکتا ہے، چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے دیگر مسلمانوں نے نہ صرف اختلاف کیا بلکہ بسا اوقات ان کو اپنی رائے تبدیل کرنے پر مجبور بھی کیا۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (م 23ھ) نے جب مسلمان عورتوں کے لیے مہر کی ایک خاص مقدار مقرر کرنا چاہی تو ایک خاتون نے ان کو برسرِ منبر ٹوک دیا اور پھر آپؓ کو اپنی رائے سے رجوع کرنا پڑا۔(21)

تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان علماء نے ہمیشہ دلیل اور حق کا ساتھ دیا ہے اور ہمیشہ عوام کے شانہ بشانہ مذہبی اور سیاسی حقوق کی جنگ لڑی ہے پوری اسلامی تاریخ اس طرح کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ،(م 150ھ) امام احمد بن حنبلؒ

OPEN ACCESS
CC BY

(م241ھ)اور کتنے ہی جلیل القدر آئمہ نے وقت کے حکمرانوں کو چیلنج کیااور اپنی جانوں تک کی پرواہ نہ کی۔ ہمیں مغرب کو قائل کرنا ہوگا کہ ہمارا ماضی ان کے ماضی سے بالکل مختلف ہے، اس لیے مغرب کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنا تاریک ماضی دکھا کر ہمیں ہمارے روشن ماضی سے محروم کر دے۔

اگر ہم اہلِ مغرب کو اس بات پر قائل کرلیں کہ اسلام کا معاشرتی، معاشی اور سیاسی نظام انسانی سوسائٹی کے لئے زیادہ مفید اور بہتر ہے، تو پھر شاید ہمارے لیے ان کے ان تحفظات کو دور کرنا مشکل نہیں ہوگا جن کا تعلق دین اور مذہب کی اساس سے ہے۔

اہلِ مغرب کے وہ تحفظات جن کا تعلق اسلام کے بنیادی اور اساسی تصورات سے ہے، وہ درج ذیل ہیں:

خدا کے وجود کا اثبات:

ہمیں اہلِ مغرب سے مکالمہ کرتے وقت اس ماحول کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا جس میں مغربی ذہن پروان چڑھتا ہے اور شعور کی منازل طے کرتا ہے۔ اہل مغرب، جو ہر چیز کو عقل (Reason) کی بنیاد پر پرکھنے کے عادی ہیں، ان کے سامنے خدائی کتاب کی بنیاد پر اپنے دلائل شروع کرنے سے پہلے خود خدا کے وجود کو زیر بحث لانا ہوگا، ورنہ مغرب کی خطرناک حد تک آزاد سوچ ہمیں غیر سنجیدہ قرار دے گی۔ سائنسی امکان اور عقل کی بنیاد پر اگر خدا کے وجود کے لیے فطرت کے مشاہدے پر زور دیا جائے تو شاید ہمیں کامیابی حاصل ہو، جیسا کہ مکی عہدِ نبوت میں رسول اللہ ﷺ نے اہلِ مکہ کو عقل اور مشاہدۂ فطرت کی بنیاد پر اسلام کی طرف متوجہ کیا تھا۔

اسلام: عیسائیت اور یہودیت کی نئی صورت گری ہے؟

مغرب میں اسلام کے بارے میں صرف عوام ہی نہیں بلکہ خواص کے ذہن میں بھی یہ تصور راسخ ہے کہ اسلام کوئی مستقل دین نہیں بلکہ یہ عیسائیت اور یہودیت ہی کا نیا رُوپ ہے۔ اس خیال کی ترویج میں بنیادی کردار ''تحریکِ استشراق'' کا ہے۔ دوسری صدی ہجری کے مشہور عیسائی عالم ''یوحنا دمشقی'' (John of Damascus) کو ''تحریکِ استشراق کا بانی'' قرار دیا جاتا ہے، اس نے ''محاورۃ مع المسلم'' اور ''ارشادات النصاریٰ فی جدل المسلمین'' نامی کتب سے اسلام کے خلاف جس منفی پروپیگنڈے اور قلمی مناظرے کا آغاز کیا تھا، مغرب میں اس کے اثرات آج بھی موجود ہیں۔

پیر محمد کرم شاہ الازھریؒ نے اپنی قابل قدر تصنیف ''ضیاء النبی ﷺ'' کی ''چھٹی اور ساتویں جلد'' میں ''تحریکِ استشراق'' کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ اہلِ مغرب، جو سماجی، معاشرتی اور سائنسی علوم کی معراج کو پہنچے ہوئے ہیں، میں آج بھی اسلام کے بارے میں نہ جاننا کم علمی کی دلیل نہیں ہے۔ مغرب میں یہ تاثر اب بھی عام ہے کہ اسلام، عیسائیت اور یہودیت ہی کی مسخ شدہ تعلیمات پر مبنی ہے اور اسلامی قوانین یہودیوں کی فقہ ''تالمود'' سے اخذ شدہ ہیں جن کا زیادہ زور ان کے ظاہری الفاظ پر ہے، نہ کہ مقاصد پر۔ جوزف شاخت (Josef Schacht) نے اپنی کتاب "The Origins of Muhammadan Jurisprudence" میں

OPEN ACCESS
CC BY

یہ دعویٰ کیا ہے کہ اسلامی قانون رومن لاء سے مأخوذ ہے۔ مشہور مستشرق ول ڈیورانٹ(Will Durant)(م1981ء)نے اپنی کتاب"The Age of Faith"میں، فلپ کے ہٹی(Philip K. Hitti)نے اپنی کتاب Islam and the West میں اور موریس سیل(Morris S Seale)نے اپنی کتاب"Muslim Theology"میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن وحدیث کا بڑا حصہ یہودی اور عیسائی روایات ہی سے ماخوذ ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام اور عیسائیت کے تقابلی مطالعہ سے اہلِ مغرب کی اس غلط فہمی کو دور کیا جائے۔

قرآن؛ وحیِ الٰہی ہے:

رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے انکار کی وجہ سے مغرب میں قرآن کو آسمانی صحیفے کے بجائے محمد ﷺ کی ذاتی تصنیف سمجھا جاتا ہے۔ اس غلط فہمی کی بڑی وجہ بھی ماضی کا پروپیگنڈا ہی ہے جس کو زائل کرنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ گزشتہ کئی صدیوں سے کئی یورپی زبانوں میں قرآن کا ترجمہ کیا جا رہا ہے لیکن ان تراجم کے اسلوب پر ایک نظر ڈالنے سے ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان مترجمین کے پیش نظر اسلام کا تعارف کروانے کی نسبت مسیحی جنگوؤں کو مقدس جنگ(Sacred War)کے لیے مسلمانوں کے خلاف تیار کرنا تھا، بعد کے دور میں قرآن مجید کے تراجم میں یہی اسلوب کسی نہ کسی انداز میں غالب رہا ہے، اسی پروپیگنڈے کے زیر اثر مسلمانوں کو "محمڈن"(Muammadan)پکارا گیا اور اسی سے "محمڈن لاء"(Muhammadan Law)کی اصطلاح وجود میں آئی۔

قرآن مجید ہر دَور کے لیے نبی کریم ﷺ کا زندہ وجاوید معجزہ ہے، عہدِ رسالت میں بھی لوگوں نے قرآنِ مجید کو جب حضور اکرم ﷺ کی اختراع قرار دیا، تو آپ ﷺ نے قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت، اس کے اسلوبِ بیان اور ہر قسم کے تناقض سے مبرّا ہونے کو اس کے کلامِ الٰہی ہونے پر دلیل کے طور پر پیش کیا۔ عقل پرستی کے موجودہ دور میں قرآن مجید کا معجزانہ پہلو اس کی فطری تعلیمات کے علاوہ وہ سائنسی اور تاریخی حقائق ہیں، جن کو قرآن نے بیان کیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم قرآنِ مجید کے اس پہلو پر توجہ دیں اور اہلِ مغرب کو یہ بتائیں کہ کتنے ہی ایسے تاریخی اور سائنسی حقائق ہیں جن تک مغرب صدیوں کی محنت اور تجربات کے بعد پہنچا ہے لیکن قرآنِ مجید نے صدیوں پہلے ان حقائق کو بیان کر دیا جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن کسی انسان کا نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے۔

ڈاکٹر موریس بوکائے کی کتاب"The Bible,The Quran and Science"اور اس کے بعد اس موضوع پر شائع ہونے والی دیگر کتب اس حوالے سے ہماری توجہ کی خصوصی مستحق ہیں۔

اہلِ مغرب میں اعلیٰ ترین سطح پر اب یہ سوچ پروان چڑھ رہی ہے کہ مذہب سے مکمل دستبرداری ان کے معاشرتی اور تہذیبی زوال کا باعث بن رہی ہے اور موجودہ مغربی فلسفہ ان کے تمام مسائل کا حل نہیں ہے، اس وقت اہلِ مغرب جو روحانی خلا

OPEN ACCESS
CC BY

Research Journal MA'ARIF-E AULIYA
Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-1 Issue-2 (July-December, 2023)
ISSN: (2311-6552)

محسوس کر رہے ہیں اس کی بناء پر یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ فی الوقت مغربی سیکولرازم کو ایک خاص مفہوم میں بحران کا سامنا ہے۔آج کی عالمی صورتِ حال میں مذہب ایک بار پھر اہلِ مغرب کی زندگی میں دبے پاؤں داخل ہو رہا ہے۔(22)

اس لیے مسلمان اہلِ علم کے لیے یہ مناسب وقت ہے کہ وہ اہلِ مغرب کے سامنے اسلام کو بہتر انداز میں پیش کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مغرب کی نفسیات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اسلام کو آج کے جدید اسلوب، تکنیک اور زبان میں پیش کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلام اپنی فطری تعلیمات کی وجہ سے مغرب کے اعلیٰ ذہن کو متاثر نہ کرے۔

ضروری گزارش:

کسی بھی تحریک کی کامیابی کے لیے رجالِ کار کی تیاری بڑی اہمیت رکھتی ہے، چونکہ اسلام کی اشاعت کا تمام انحصار دعوت و تبلیغ اور دوسری قوموں سے مکالمے پر ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف بین المذاہب مکالمے کی عملی مثال قائم کی بلکہ ایسے افراد بھی تیار کیے جو دوسری قوموں سے مکالمے کی صلاحیتوں سے مالا مال تھے، لیکن ہمارا المیہ یہ ہے اب جبکہ حالات کے جبر نے ہمیں بین المذاہب مکالمے کی میز پر بیٹھنے پر مجبور کر دیا ہے، ہمارے پاس ایسے افراد کی شدید کمی ہے جو مغربی فکر و فلسفہ پر گہری تنقیدی نظر رکھتے ہوں اور جو اہلِ مغرب کی ذہنی ساخت، ان کی نفسیات، پسِ منظر اور تکنیک سے واقف ہوں۔اس وقت ہمارا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں جو لوگ علمی رسوخ رکھتے ہیں وہ مغربی زبان وادب اور مغرب کی نفسیات سے واقف نہیں اور جو لوگ مغربی زبان اور محاورے کو جانتے ہیں وہ علمی طور پر کمزور ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی مدارس اور جامعات کے نصابِ تعلیم میں مغربی فکر و فلسفہ کو بطور لازمی مضمون کے شاملِ نصاب کیا جائے، تاکہ ایسے رجالِ کار کی تیاری ممکن ہو جو مغرب کے دانش ور طبقے سے پورے اعتماد کے ساتھ بات کر سکیں۔یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یونانی فکر و فلسفہ کے عروج کے دور میں مسلمان اہلِ علم نے یونانی علمِ کلام اور فلسفہ پر مکمل عبور حاصل کیا اور پھر یونانی فکر و فلسفہ کے علمی اور تحلیلی جائزے کے بعد اسلامی فکر کی برتری کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا۔دورِ حاضر میں مسلمان اہل علم پر لازم ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی تاریخ کو دہراتے ہوئے جدید علمِ کلام اور مغربی فکر و فلسفہ پر عبور حاصل کریں، تاکہ مغربی فکر کا بھرپور تنقیدی جائزہ لے کر اس کی کمزوریوں اور کھوکھلے پن کو واضح کیا جا سکے۔

ایک اور چیز جس کا ہمیں خاص طور سے لحاظ رکھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ مغرب کے ساتھ مکالمہ میں ہمارا رویہ معذرت خواہانہ اور دفاعی کے بجائے "اقدامی" ہونا چاہیے، ہمیں اسلام کے بنیادی عقائد اور نظریات کی ایسی تاویل سے اجتناب کرنا چاہیے جس کا اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔معروف روایت کے مطابق جب قریشی وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے سامنے مختلف آپشنز (Options) رکھے کہ آپ ﷺ جو پیش کش بھی چاہیں قبول کر لیں اور دعوت و تبلیغ سے باز آجائیں تو آپ ﷺ نے اس وقت جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ ذہنی مرعوبیت کے شکار لوگوں کے لیے خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

OPEN ACCESS
CC BY

"اللہ کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تب بھی میں اپنے مشن سے پیچھے ہٹنے والا نہیں۔"(23)

اسی طرح جب شاہِ حبشہ نے مسلمانوں کو دربار میں طلب کیا تاکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور عیسائی مذہب کے بارے اپنا موقف بیان کریں، تو مسلمانوں سخت پریشان ہوئے کیونکہ سچ کہنے کی صورت میں نجاشی اور درباریوں کے ناراض ہونے کا خطرہ تھا ، لیکن آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باہمی مشاورت کے بعد یہ متفقہ فیصلہ کیا:

"نقول و اللّٰہ ما قال اللّٰہ و ما جاء نا به نبینا"(24)

"اللہ کی قسم! ہم وہی کہیں گے جو اللہ کا حکم اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ہے"

اس لیے ہمیں کسی قسم کی ذہنی مرعوبیت کے بغیر پورے اعتماد کے ساتھ مغرب کو قائل کرنا ہو گا کہ اسلام ہی ایک ایسا تریاق ہے جو مغرب کی تہذیب کو ہر قسم کے نقائص سے پاک کر کے زندہ وجاوید کر سکتا ہے۔ مغرب کے تمام مسائل، خاندانی نظام کی شیرازہ بندی، بچوں میں بڑوں کا احترام پیدا کرنا، باہمی اخوت، نسلی تفاخر کا خاتمہ، نفسیاتی استحکام، احترامِ آدمیت، تحمل اور ایڈز جیسی بیماریوں کے خلاف سماجی مدافعت وغیرہ کا حل صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے۔

حواشی و تعلیقات:

1۔ قرآن، سورہ النحل 16، 125
2۔ شبلی نعمانیؒ، علامہ (م1914ء)، سیرۃ النبی ﷺ، الفیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار، لاہور، 91/4
3۔ انجیل متّی، 24:15
4۔ انجیل متی، 6:10
5۔ احمد بن حنبلؒ، ابو عبداللہ الشیبانی، الامام (م241ھ)، المسند،، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1991ء، حدیث زید بن ثابتؓ، حدیث: 1108، 238/6
6۔ ابو داودؒ، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق السجستانی (م275ھ)، سنن ابی داود، کتاب الطلاق، باب من احق بالولد، دار السلام للنشر و التوزیع، الریاض، 1999ء، حدیث: 2277، ص: 230
7۔ سرخسی، ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سھل، (م490ھ) "المبسوط" کتاب الصلوٰۃ، دار المعرفۃ، بیروت، 1978ء، 37/1
8۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، (م2002ء)، صحیفہ ہمام بن منبہ، ناشر رشید اللہ یعقوب، کلفٹن، کراچی، 1998ء، ص193
9۔ ابن سعد، ابو عبداللہ محمد، (م456ھ)، "الطبقات الکبری" ذکر بعثۃ رسول اللہ ﷺ الرسل بکتبہ الی الملوک، دار صادر، بیروت، 1985ء، 258/1،
10۔ ابن ہشام، ابو محمد عبدالمالک (م218ھ)، السیرۃ النبویۃ، امر الھدنۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1995ء، 351/3

OPEN ACCESS
CC BY

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-1 Issue-2 (July-December, 2023)
ISSN: (2311-6552)

11۔ قرآن، سورہ التوبۃ، 33:9

12۔ قرآن، سورہ آل عمران 4:64

13۔ ابنِ اثیر، ابوالحسن علی بن ابی الکرم محمد ابن اثیر الجزری (م630ھ)، اسد الغابۃ، تذکرۃ حاطب بن ابی بلتعہؓ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 362/1

14۔ ابنِ قیم الجوزیہ، ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر (م751ھ)، زاد المعاد، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1979ء، 691/3، 692

15۔ اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو:
"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسلوبِ دعوت و تبلیغ" صفحہ 177، 178، (ناشر، مکتبہ جمال کرم، لاہور، 2004ء)

16۔ حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسیلمہ کذّاب کے سفیروں کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا:
"لو کنت قاتلاً رسولاً لقتلتکما، فمضت السنّۃ أنّ الرّسلَ لا تُقتَلُ"
("المسند"، حدیث عبداللہ ابن مسعودؓ، 654/1، ح3752)

17۔ "الطبقات الکبری"، وفد تمیم، 142/1

18۔ "الطبقات الکبری"، ذکر نقش خاتمِ رسول اللہ ﷺ، 232/1

19۔ حمید اللہؒ، ڈاکٹر، (م2001ء)، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، دار الاشاعت، کراچی، 1987ء، ص:127

20۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو: "یا خلیفۃ اللہ" کہا گیا تو جواباً آپؓ کے الفاظ یہ تھے:
"لستُ خلیفۃَ اللہ و لکنی خلیفۃَ رسولِ اللہ"
ملاحظہ ہو: ابو یعلیٰ، محمد بن الحسن الفرّاء، (م458ھ)، الاحکام السّلطانیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1983ء، ص:27

21۔ ابنِ العربیؒ، ابو بکر محمد بن عبداللہ، (م543ھ)، احکام القرآن، تفسیر زیر آیت: وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا (20/4)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2003ء، 469/1

22۔ اس حوالے سے پروفیسر میاں انعام الرحمن کا تجزیاتی مضمون جو ماہنامہ "الشریعہ" گوجرانوالہ، اگست 2005ء میں "مغرب کی اُبھرتی ہوئی مذہبی شناخت" کے عنوان سے شائع ہوا ہے، قابل مطالعہ ہے۔

23۔ ابن کثیرؒ، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (774ھ)، البدایۃ والنہایۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 2001ء، 66/3

24۔ ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویۃ، امر الھدنۃ 373/1

OPEN ACCESS